ہیں۔ گلیوں میں مظاہرے عام ہیں۔ روسی وسط ایشیا کی قومی آزادی کی تحریکوں سے متاثر ہو کر مشرقی ترکستان کے اویغور قوم پرستوں نے کھلے عام کارروائیاں شروع کر دی ہیں۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو مشرقی ترکستان کے ترکوں نے چینی حکام کے مخاصمانہ روّیے سے مجبور ہو کر یہ رستہ اختیار کیا ہے۔ ان لوگوں کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ یا تو وہ ایک تدریجی ادّغام کے ذریعے اپنے قومی وجود کا خاتمہ قبول کر لیں یا پھر اپنے قدرتی تشخص کے لیے جان لیوا جدوجہد کے راستے کو اپنائیں۔ اپنے قومی تشخص کے زیاں کے خطرے نے ان کے قوم پرستانہ جذبات کو مزید مضبوط کیا ہے۔ ترک عوام نے عہد کیا ہے کہ وہ اپنے قومی اور ثقافتی تشخص کے خلاف کی جانے والی کوششوں کی آخر وقت تک مزاحمت کریں گے۔ انھوں نے اس کے ساتھ چینی حکومت کے غیر منصفانہ اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

# روس اور مسلم دنیا

## خلیج کے بحران میں روس کا کردار

کویت کے خلاف عراقی جارحیت کے نتیجے میں خلیج کے بحران نے ایسے وقت پر جنم لیا ہے جب روسی سلطنت اقتصادی کساد بازاری کے ایک مشکل دور سے گزر رہی ہے۔ کمیونسٹ اقتصادی نظام کو ترک کر کے آزاد معیشت کو اختیار کرنے کے منصوبے نے کچھ ایسی تباہ کن صورت حال پیدا کر دی ہے کہ کریملن خارجی امور کے لیے زیادہ وقت صرف نہیں کر سکتا۔ جب کہ اس کے اپنے شہری خوراک اور دیگر اشیا کے لیے سرگرداں پھر رہے ہیں۔

بحران نے علاقائی تنازعے کی بجائے ایک بین الاقوامی مسئلے کی صورت اختیار کر لی ہے۔ مغربی ملکوں اور امریکہ کے تعاون کی شدید ضرورت کے پیشِ نظر گورباچیف انتظامیہ نے امریکہ سے تصادم سے بچنے کے لیے اپنے لب و لہجے کو دھیما رکھا ہوا ہے۔ بش انتظامیہ کو بھی کسی اور کے مقابلے میں سوویت یونین کے تعاون کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ سوویت یونین کا اس علاقے میں اپنے قدیم دوست عراق کے توسط سے ٹھوس اثر و نفوذ پایا جاتا ہے۔ نتیجتاً دونوں بڑی طاقتوں نے ہیلنسکی میں ملاقات کی، جو بین الاقوامی سیاست میں بڑی طاقتوں کے درمیان تعاون کے لیے ایک نیا موڑ ثابت ہوئی۔ اس کے نتیجے میں اس سرد جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ جس کا آغاز 1917ء میں سوویت یونین میں کمیونسٹوں کے برسراقتدار آنے کے بعد ہوا تھا۔

بظاہر خلیج کی صورتِ حال کلیتہً امریکی فوجوں کے تصرف میں ہے اور بش انتظامیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کی یہ کارروائی سعودی عرب کی درخواست پر عمل میں آئی ہے۔ دوسری طرف ماسکو کے دہرے معیار نے اس کے لیے گومگو کی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ ماسکو نہ تو صدام حسین کو برہم کرنا چاہتا ہے اور نہ وہ خلیج میں فوجیں بھیجنے کے لیے تیار ہے۔ اندرونی مسائل نے اس کی بیرونی سرگرمیوں کو مختصر کر دیا ہے۔ چنانچہ کریملن مسئلے کے سفارتی حل کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کے لیے ایک طویل عرصہ چاہیے۔ اس دوران میں امریکا کے لیے یہ ایک اچھا موقعہ ہے کہ وہ نیٹو میں اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر یک طرفہ طور پر اپنی فوجی قوت کو اس علاقے میں قائم رکھے۔

اقوام متحدہ میں اقتصادی پابندیوں کی حمایت کر کے سوویت یونین بین الاقوامی سطح پر اعتبار میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ عراق کے ساتھ اپنے قریبی تعلقات کو بھی برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ 1972ء میں اس نے عراق کے ساتھ دوستی کا جو معاہدہ کیا تھا، وہ ابھی تک مؤثر ہے۔ سوویٹ یونین کو صدام حسین سے دلچسپی نہیں ہے بلکہ اس کو دلچسپی اس سے ہے کہ اس کی جگہ کون لیتا ہے۔ کیونکہ عراق مشرقِ وسطیٰ میں اس کا سب سے بڑا اتحادی ہے اور باہمی اقتصادی تعاون کے علاوہ عراق کے ساتھ سوویٹ یونین کی دلچسپی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ اس کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرتا ہے۔

مشرقِ وسطیٰ کے امور کے متعدد ماہرین کا خیال ہے کہ کویت پر عراق کے حملے کے منصوبے کی اطلاع بڑی طاقتوں کو پہلے سے تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر انہیں اس کے بارے میں علم تھا تو انہوں نے اسے شروع ہی میں روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی اور اب اس بحران کو حل کرنے کے لیے باہم گٹھ جوڑ کیوں کر لیا ہے۔ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ سوویت یونین اور امریکہ دونوں کے مشیروں کا خیال ہے کہ مسلم دنیا میں ابھرتے ہوئے اسلامی گروہ دونوں بڑی طاقتوں کے لیے مشترکہ خطرہ ہیں اور اسی لیے وہ ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک کر رہے ہیں۔ خصوصاً مسلمان مجاہد، تو ان طاقتوں کے لیے زبردست خطرہ بن گئے ہیں۔ مجاہد اس علاقے میں کسی غیر ملکی طاقت کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ بڑی طاقتوں کا مشترکہ مقصد ان "مجاہدوں" کو کچلنا اور انہیں اقتدار میں آنے سے روکنا ہے۔ امریکہ اور سوویٹ یونین کے درمیان تعاون کے نتیجے میں افغانستان میں نجیب اللہ حکومت کے حق میں روس کی اور فلسطین میں پی ایل او اور انتفاضہ کے خلاف امریکہ کی پوزیشن

مضبوط ہو جائے گی۔ بحران کے نتیجے میں روس کو ایک اضافی فائدہ یہ ہوا ہے کہ خلیج کی ریاستوں کے ساتھ اس کے تعلقات کا باب کھل گیا ہے۔ یہ وہی ریاستیں ہیں بالخصوص سعودی عرب جن کے ساتھ نصف صدی کے بعد اس نے حال ہی میں سفارتی تعلقات بحال کرنے کا اعلان کیا ہے، جنہیں وہ کسی زمانے میں "سامراج کا پٹھو اور رجعت پسند" ملک کہتا تھا۔

بڑی طاقتیں صدام حسین کے اعلان "جہاد" کو بھی نظر انداز نہیں کر رہی ہیں۔ کیونکہ عرب ممالک کسی نہ کسی فریق کی حمایت کر رہے ہیں۔ الفاظ اور اسلحے کی اس ہماہمی میں یہ پیش گوئی بہت مشکل ہے کہ مشرق وسطیٰ کا مستقبل کیا صورت اختیار کریگا۔ بہرحال یہ بات واضح ہے کہ اس علاقے میں کسی جنگ کے نتیجے میں مسلم دنیا بحیثیت مجموعی سب سے زیادہ متاثر ہوگی۔

# تبصرۂ کتب

## وسطی ایشیا میں کام کرنے والی افرادی قوت کے مسائل

## Problems of the work force in Central Asia

MULLYADZHANOV,I.P. (Ex.Editor), Razvite Narodonaselenita i Problemy Trudovykh Resursov respudblik Srednei Azii (Development of the Population and the Problems of Work Force in the Central Asian Republics). Tashkent, Izdatelstvo 'Fan', USSR, 1988, PP. 164

پراسترائیکا (تعمیر نو) کے بڑے مقاصد میں ایک سوویت عوام کی مادّی خوش حالی اور روحانی اطمینان کی مستقل ضمانت حاصل کرنا ہے۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی اس مہم کی کامیابی کو انسانی عنصر سے وابستہ کرتی ہے۔ کیونکہ اس میدان میں تیز رفتار پیشقدمی کا انحصار انسانی عنصر کے بھرپور سرگرم عمل ہونے اور ملک کی افرادی قوت کے مؤثر استعمال میں اضافے پر ہے۔

وسطی ایشیا کے لوگوں نے اپنے دوست عوام اور بالخصوص روسیوں کے ساتھ مل کر سماجی ڈھانچے میں عظیم تبدیلیاں برپا کی ہیں۔ انہوں نے نیم جاگیر دارانہ معاشرے کو سوشلسٹ